اک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے

حکیم راحت نسیم سوہدروی

کاروان زندگی کا نظام ہی کچھ ایسا ہے جسے آنا ہے اسے بہرصورت جانا ہے۔ روزانہ ہزاروں نونہال آغوش مادر میں آنکھیں کھول رہے ہوتے ہیں اور سینکڑوں موت کی وادی میں اُترتے ہیں۔ مگر اس سے نظام زندگی پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ جانے والوں کے باوجود بھی کاروانِ زندگی یوں ہی رواں دواں رہتا ہے۔ بعض لوگ جب اس کاروانِ زندگی سے الگ ہوتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ چمن سونا سونا ہے اور اداسی ہر طرف ڈیرے ڈال لیتی ہے۔ ایک ویرانی سی محسوس ہوتی ہے، ایسی ہی عظیم شخصیات میں سے مولانا اسحاق بھٹی ہیں۔

گزشتہ دِنوں چند روزہ علالت کے بعد وہ راہی ملک عدم ہوئے۔ انہیں اپنی خدمات علم و ادب، تصنیف و تالیف اور تاریخ و سوانح کے باعث ہر طبقہ فکر میں پذیرائی حاصل تھی۔ کہا جاسکتا ہے کہ وہ گزشتہ نصف صدی کی چلتی پھرتی تاریخ تھے۔ انہوں نے تحریک آزادی سے لے کر عہد حاضر تک ہر تحریک کو قریب سے دیکھا۔ وہ ایک صاحب عزیمت انسان تھے۔ زندگی اس شان سے گزاری کہ جو حق پرستوں کی شان ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ

وہ اس قافلے کے فرد تھے جس کے سرخیل مولانا ابوالکلام آزاد، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا محمد اسماعیل سلفی اور مولانا محمد حنیف ندوی تھے۔ انہوں نے جن اکابر علماء کو دیکھا ان کے بارے میں خوب لکھا اور وہی لکھا جو سچ تھا۔ ان کی تحریریں بڑی دلچسپی کی حامل ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ مورخ، عالم دین، مترجم، مصنف اور ادیب و خطیب تھے، ان کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا۔ ان کی یادداشت بلا کی تھی۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی 15 مارچ 1925ء کو کوٹ کپورہ (ریاست فرید کوٹ مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام میاں عبدالمجید جبکہ دادا کا نام میاں محمد تھا۔ میاں محمد ایک دیندار انسان تھے۔ انہوں نے اپنے پوتے کی تعلیم و تربیت بھی اپنے مزاج کے مطابق کی۔ نماز پڑھنے جاتے تو پوتا ساتھ ہوتا۔ پوتے کو پہلے قرآن حکیم پڑھایا۔ پھر سکول داخل کروایا۔ ابھی چوتھی جماعت میں تھے کہ ایک روز دادا جان انہیں مولانا عطاء اللہ حنیف کے پاس لے گئے جو مقامی مسجد میں خطبہ جمعہ دیتے تھے۔ مولانا عطاء اللہ حنیف نے پہلے قرآن حکیم ترجمہ سے پڑھایا پھر قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی رحمت اللعالمین پڑھائی۔ ساتھ ہی مروجہ علوم کی کتب بھی پڑھائیں۔

۱۹۴۰ء میں مولانا عطاء اللہ حنیف کے حکم پر گوجرانوالہ آگئے۔ جہاں مولانا محمد اسماعیل سلفی اور مولانا محمد محدث گوندلوی سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم پڑھی۔ تحصیل علم کے بعد محکمہ انہار میں ہیڈ سلیمانکی میں کلرک بھرتی ہوگئے۔ پھر نوکری چھوڑ کر ۴۳ سے ۴۷ء تک مرکز الاسلام مدرسہ میں درس و تدریس سے وابستہ ہوگئے۔ تقسیم ہند کے وقت ہجرت کر کے پاکستان آگئے۔ پہلے قصور پھر چک نمبر ۵۳ گ ب فیصل آباد میں سکونت اختیار کی۔

جولائی ۱۹۴۹ء میں ان کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا۔ مولانا عطاء اللہ حنیف کے ایما پر مرکزی جمعیت اہل حدیث کے دفتر لاہور میں ناظم دفتر بنے۔ اگست ۴۹ء میں ہفت روزہ الاعتصام سے وابستہ ہوئے اور سولہ سال تک یہ کام کیا۔ اس وقت ہفت روزہ کے ایڈیٹر مولانا محمد حنیف ندوی تھے۔ ۱۵ مئی ۱۹۵۱ء کو مولانا ندوی ادارہ ثقافتِ اسلامیہ میں چلے گئے۔ یہ ادارہ

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے قائم کیا تھا۔ اس طرح ایڈیٹر کی ذمہ داریاں سرانجام دینے لگے۔ اسی دوران سہ روزہ منہاج کا اجراء کیا مگر یہ علمی و ادبی اخبار تین سال بعد بند ہو گیا۔ مئی ۱۹۶۴ء میں الاعتصام سے الگ ہوئے اور کچھ عرصہ مولانا داؤد غزنوی کے مجلّہ ''توحید'' سے وابستہ رہے۔ اکتوبر ۱۹۶۵ء میں دوبارہ اداہ ثقافت اسلامیہ میں آ گئے اور مارچ ۱۹۸۶ء میں اس سے ریٹائر ہو گئے۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ میں انہیں تحریر و تحقیق کے بہت مواقع ملے اور بہت علمی، ادبی و دینی کام کیا۔

۲۲ دسمبر ۲۰۱۵ء کی صبح آٹھ بجے جبکہ میں سفر پر روانگی کے لیے تیاری کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف مولانا حکیم محمد یحییٰ عزیز ڈاہروی تھے۔ انہوں نے بتایا کہ نماز فجر کے بعد مولانا محمد اسحاق بھٹی اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ساتھ ہی انہوں نے بتایا کہ ان کی نماز جنازہ دو بجے سہ پہر ناصر باغ میں ادا کی جائے گی۔ اس خبر کے ساتھ ہی مولانا محمد اسحاق بھٹی سے وابستہ یادوں کی وسیع مالا نظروں کے سامنے آ گئی۔ ان سے بے شمار ملاقاتیں رہیں جو میرے افکار و محسوسات کو جگمگائے رکھتی ہیں۔ ان سے پہلی ملاقات عجائب گھر لاہور کے ڈپٹی ڈائریکٹر انجم رحمانی کے دفتر میں ہوئی۔ میں ان دِنوں ہمدرد انارکلی میں خدمات انجام دیتا تھا۔ میرا معمول تھا کہ ڈیوٹی پر جانے سے قبل دوپہر کو انجم رحمانی صاحب کے دفتر جاتا۔ یہ دفتر کیا تھا ہم دوستوں کا ڈیرہ تھا جہاں لاہور کے اہل علم وقلم جمع ہوتے۔ رحمانی صاحب وضع دار شخصیت کے مالک، وسیع المطالعہ، کتاب سے محبت اور روشن خیال ہیں، ان کے احباب میں ہر مکتب فکر کے لوگ ہوتے۔ مثلاً سید سبط الحسن ضیغم، علامہ ع۔غ کراروی، پروفیسر افضل حق قرشی، پروفیسر شیر محمد گریوال، پروفیسر عبدالجبار شاکر، مولانا محمد اسحاق بھٹی وغیرہ۔ میں ان سب میں کم عمر تھا۔ ان کی صحبت سے استفادہ کرتا اور علمی و ادبی مباحث سنتا، یہیں پر مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب سے پہلی ملاقات ہوئی۔ وہ ان دِنوں ادارہ ثقافتِ اسلامیہ سے وابستہ اور اس کے مجلّہ المعارف کے مدیر تھے۔ وہ ڈاکٹر انجم رحمانی سے ملنے آئے تو رحمانی صاحب نے میرا ان سے تعارف کروایا۔ بڑی گرمجوشی سے ملے اور

بتانے لگے کہ آپ کے والد (حکیم عنایت اللہ نسیم) سے میرے روابط ہیں اور سلسلہ خط و کتابت بھی ہے۔ وہ کبھی کبھار ہمارے دفتر مولانا محمد حنیف ندوی سے ملنے تشریف لاتے ہیں تو ان سے نشست رہتی ہے۔ میں نے مولانا اسحاق بھٹی کا نام سن رکھا تھا مگر ملاقات پہلی بار ہوئی تھی۔ پھر باتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ میں ان کی گفتگو بڑے غور سے سنتا رہا۔ ان کا حافظہ بلا کا تھا اور یادداشت بہت تیز تھی۔ برصغیر کی تاریخ انہیں ازبر تھی۔ جمعیت علماء ہند کا ذکر چل نکلا تو ماضی کے واقعات اس طرح سنا رہے تھے جیسے کل کی بات ہو۔ انہیں اس بات کا گلہ تھا کہ بیشتر قلم کار تحقیق کے بغیر لکھتے ہیں اور تاریخ کے حوالے سے فاش غلطیاں کرتے ہیں۔ انہیں اس بات کا بھی گلہ تھا کہ تاریخ کے حوالے سے بعض لوگ اسے بدل کر لکھتے ہیں۔

پہلی ملاقات نے ہی بہت متاثر کیا، وہ بہت صاف گو، تعصب سے پاک اور اپنا نقطہ نظر بیان کرنے پر قادر تھے۔ ان کا اندازِ بیاں سادہ اور رواں تھا۔ وہ خوش مزاج بھی تھے۔ ماضی کے واقعات رواں دواں انداز میں بیان کرتے۔ پھر بیان کرنے کا انداز ایسا کہ اکتاہٹ نہ ہوتی۔ وہ روایتی مولوی بھی نہ تھے۔ علم و فضل کا تو گویا وہ پہاڑ تھے۔ اس کے بعد ان سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ ان کی وفات تک جاری رہا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ ڈاکٹر انجم رحمانی صاحب کے دفتر سے اُٹھتے تو پیدل انارکلی چل پڑتے۔ اردو بازار تک جاتے ہوئے وہ واقعات اس پیرائے میں بیان کر رہے ہوتے کہ پھر کیا ہوا جیسی کیفیت ہو جاتی۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی ادارہ ثقافت اسلامیہ سے ریٹائر ہو گئے تو ان کو لکھنے کے لیے زیادہ وقت مل گیا۔ ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور میں خاکے لکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔ پہلا خاکہ گیانی ذیل سنگھ کا تھا جس کا عنوان کچے گھر سے قصر صدارت تک تھا۔ گیانی ذیل سنگھ جو بعد میں ہندوستان کے صدر بنے، تحریک آزادی کے کارکن تھے۔ گیانی ذیل سنگھ سے ان کا تعلق اسی دور میں قائم ہوا۔ فرنگی دَور میں جب ہندوستانی ریاستوں میں ''پرجا منڈل'' کے نام سے کمیٹیاں بنیں تو ذیل سنگھ صدر اور مولانا محمد اسحاق بھٹی سیکرٹری تھے۔ اس طرح انہوں نے گیانی ذیل سنگھ کو قریب سے دیکھا اور ان کا خاکہ بڑے خوبصورت پیرائے میں لکھا۔ اس کے بعد کئی

خاکے لکھے جن میں قاضی حبیب الرحمٰن منصور پوری، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا محمد اسماعیل سلفی، حمید نظامی، مولانا کوثر نیازی، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا حافظ محمد گوندلوی، مولانا ابوالکلام آزاد، رئیس احمد جعفری، مولانا ثناء اللہ امرتسری وغیرہ۔ پھر ان خاکوں میں کچھ اضافے کیے اور انہیں کتابی صورت میں پیش کیا۔ اس طرح بعد میں کچھ نئے خاکے لکھے۔ اب تک ان کے خاکوں کی چار کتب شائع ہوچکی ہیں جن میں نقوش عظمت رفتہ، بزم ارجمنداں، کاروان سلف اور قافلہ حدیث شامل ہیں۔ اس کے علاوہ قصوری خاندان، میاں فضل حق اور ان کی خدمات، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، صوفی محمد عبداللہ، میاں عبدالعزیز مالواڈہ، قاضی محمد سلیمان منصور پوری، مولانا ابوالکلام آزاد ایک نابغۂ روزگار شخصیت، برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن، ریاض الصالحین کا عربی سے ترجمہ، لشکر اسامہ کی روانگی، ڈاکٹر فضل الٰہی کی عربی کتاب کا ترجمہ کے علاوہ ہفت اقلیم، دبستان حدیث، ارمغان حدیث اور اسلام کی بیٹیاں لکھیں۔ لسان القرآن جس کی دو جلدیں مولانا محمد حنیف ندوی نے لکھی تھیں، تیسری جلد بھٹی صاحب نے مکمل کی۔ اس طرح چہرہ نبوت جس کے ابتدائی دو ابواب مولانا محمد حنیف ندوی نے لکھے تھے جبکہ باقی گیارہ ابواب مولانا محمد اسحاق بھٹی نے لکھ کر شائع کی۔ اس کے علاوہ ان کی کتب میں برصغیر میں اہل حدیث کی اولیات، گلستان حدیث، استقبالیہ وصدارتی خطبات، تذکرہ مولانا غلام رسول قلعوی، برصغیر میں اہل حدیث کی سرگذشت، روپڑی علماء حدیث، مولانا احمد دین گکھڑوی، چمنستان حدیث اور تذکرہ مولانا محی الدین لکھوی نمایاں ہیں۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی نے سیکڑوں علماء اور شخصیات پر لکھا ہے۔ اس فن میں انہیں مورخ اہل حدیث اور ذہبی وقت لکھا جاتا تھا۔

ان کی تحریروں میں ان کی اپنی کہانی بھی ملتی ہے مگر جب احباب اصرار کیا کرتے کہ اپنی سرگذشت بھی کتابی صورت میں لکھیں تو انہوں نے ''گزر گئی گزران'' کے نام سے کتاب لکھی جسے علمی ادبی حلقوں میں بہت پذیرائی ملی۔ اپنے بارے میں لکھنا کسی اہل قلم کے لیے پل صراط پر سے گزرنا ہوتا ہے۔ بھٹی صاحب نے یہ منزل بھی بڑے خوبصورت انداز میں

طے کی۔ اگرچہ آپ بیتی لکھنے کا رواج انیسویں صدی کے آغاز میں ہوا اور اب یہ اردو ادب کی مقبول صنف ہے۔ بڑے بڑے لوگوں کی آپ بیتیاں سامنے آئیں اور مقبول بھی ہوئیں۔ 'گزر گئی گزران' بھی ان میں ایک اچھا اضافہ ہے۔ بقول پروفیسر عبدالجبار شاکر مرحوم:

> ''اس آپ بیتی کے جس پہلو نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ یہ ہے کہ مصنف نے اپنی زندگی کے کسی پہلو کو چھپانے کی کوشش نہیں کی اور ہر بات سچائی سے لکھ دی ہے۔ یہی وہ جوہر ہے جو کسی آپ بیتی کو عظمت کا تاج اور بقائے دوام کا خلعت پہنا دیتا ہے۔ بھٹی صاحب نے 'گزر گئی گذران' میں تجربات کا تنوع، مشاہدات کی گہرائی، واقعات کا استحضار، مطالعے کی وسعت، حافظے کی نعمت، اظہار کی قدرت، اسلوب کی ندرت اور دین کی حمیت جیسی اقدار اور خصائص کو پیش کرکے ادبیات اردو میں ایک مستقل معیار کی حامل آپ بیتی کا اضافہ کیا ہے۔''

جن دِنوں ادارہ ثقافت اسلامیہ میں تھے مولانا محمد حنیف ندوی بھی وہیں تھے۔ ان سے ان کی خوب بنتی تھی۔ نظریاتی طور پر بھی قریب تر تھے۔ انہی دِنوں ابن ندیم کی 'الفہرست' جیسی کتاب کا ترجمہ کرکے اپنی مترجم کی حیثیت کو منوایا۔ پھر فقہائے ہند دس جلدوں میں مرتب کرکے وسیع و وقیع علمی کتب میں اضافہ کرکے بحیثیت مصنف و محقق اپنا لوہا منوایا۔

برعظیم پاک و ہند میں علم فقہ، برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش انہی دِنوں کی کاوش ہے مگر احساس تفاخر سے دُور رہے۔ ان کے تعلقات بڑے بڑے سیاستدانوں، علماء سے رہے مگر کبھی کوئی ذاتی فائدہ نہ اُٹھایا اور نہ وہ ان تعلقات کو کیش کروانے والوں میں سے تھے۔ علم و ادب، تحقیق، تصنیف و تالیف ان کا میدان تھا۔ اس سے وابستہ رہے اور اسی حال میں خوش و مطمئن رہے۔ وہ اہل علم کی مجلس میں خوش رہتے۔

وہ نظریاتی طور پر ان لوگوں میں سے تھے جو جمعیت علماء ہند کے موقف کے ہمنوا تھے مگر بحیثیت مورخ وہ وہی لکھتے جو باقاعدہ تاریخ ہوتی۔ وہ تاریخ کو بدلنے والوں میں سے

نہ تھے۔ ان کا تعلق تحریک آزادی ہند سے رہا۔ تحریک آزادی میں جیل بھی کاٹی مگر قلم سے رشتہ برقرار رکھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد سے انہیں والہانہ محبت وعقیدت تھی۔ اس حوالے سے نقوش عظمت رفتہ میں ان کا تحریر کردہ خاکہ ابوالکلام آزاد پڑھنے کی چیز ہے۔ ان کی تصنیف 'مولانا ابوالکلام آزاد ایک نابغہ روزگار' ان کی محبت کا ثبوت ہے۔

میرے والد حکیم عنایت اللہ سوہدروی دسمبر ۱۹۶۵ء میں انتقال کر گئے تو مولانا محمد اسحاق بھٹی نے ان پر ایک مضمون لکھا جو قومی ڈائجسٹ لاہور میں شائع ہوا۔ میں ان کی یادداشت پر حیران ہوا کہ انہوں نے اس طرح لکھا کہ کوئی واقعہ غلط نہ تھا اور شخصیت کا مکمل احاطہ کیا۔ وہ اتنی بڑی علمی ادبی شخصیت ہونے کے باوجود غرور علم سے دُور تھے۔ انہوں نے انتہائی سادہ زندگی گذاری۔ صلہ کی تمنا نہ ستائش کی پروا کے مصداق زندگی بھر اپنی ڈگر پر رواں دواں رہے۔ نام ونمود سے دور اپنے کام میں مصروف رہتے۔ ان کی آپ بیتی ''گزر گئی گذران'' میں اس کی جھلک واضح نظر آتی ہے۔ انہوں نے جس موضوع پر بھی قلم اُٹھایا اس کا حق ادا کردیا۔ انہوں نے صرف علماء اہل حدیث بارے ہی نہیں لکھا بلکہ دوسری شخصیات پر بھی جن میں دیوبند اور دیگر مکتب فکر کے لوگ بھی شامل ہیں جو دیکھا یا سنا وہی لکھا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے بہت زیادہ کام کیا صرف کام کی غرض سے گھر سے نکلتے۔ البتہ دوست احباب گھر آجاتے تو دوستوں سے مل کر خوش ہوتے اور ان کا استقبال مسکراہٹ سے کرتے۔ وہ دوستوں کی مہمان داری میں خوشی محسوس کرتے۔ اپنی شائع ہونے والی نئی کتاب پیش کرتے۔ ان کی مجلس میں لطائف بھی ہوتے اگرچہ سنجیدہ موضوعات بھی خوشگوار انداز میں زیر بحث آتے۔ وہ ضعیف العمری میں بھی لکھتے رہے۔ اگرچہ ثقل سماعت کا شکار ہو گئے تھے مگر حافظے کے بل بوتے پر گھنٹوں گفتگو کرتے۔

برادرم رانا محمد شفیق پسروری نے پیغام ٹی وی چینل کے لیے ان کی یادداشتیں ریکارڈ کی تھیں جو خاصے کی چیز ہے۔ ان کی زندگی کے آخری سال جبکہ ان کی عمر کے ۹۰ سال ہو چکے تھے ان کی تین کتب منصۂ شہود پر آگئیں، ان کی کتابوں کی تعداد ۴۰ سے زیادہ ہے۔ ان کی نماز

جنازہ ناصر باغ لاہور میں ڈاکٹر حماد لکھوی نے پڑھائی جس میں ملک کے طول وعرض سے محبت وعقیدت رکھنے والے احباب شریک ہوئے جن کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ بعد ازاں ان کی میت ان کے گاؤں چک ۵۳ گ ب لے جائی گئی اور دوبارہ نماز جنازہ کے بعد سپرد خاک کر دیا گیا۔ یوں یہ آفتاب علم وحکمت ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ اب ہم ان کی مجلسوں سے محروم ہو گئے ہیں۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

❁❁❁